

رودادِ ابتلا، احمد رائف مصری

(۱۱)

جناب خلیل الحامدی صاحب

میں بے قابو ہو کر وحشی وحشی آواز میں اسٹور کے اندر موجود لوگوں سے پوچھنے لگا کہ سائنٹیوہ تو بتاؤ کہ تم میں سے کوئی خانگاہ کے رہنے والے شعبان نامی شخص کو جانتا ہے؟ ایک ہچکیاں لیتا ہوا انسان لڑکھرائی آواز میں آہستہ گولا: میں خانگاہ کا رہنے والا ہوں۔ میرے علم میں وہاں شعبان نامی کوئی شخص نہیں رہتا۔ میں ایک ساٹھ برس کا بوڑھا شاید اس نام سے موسوم ہے جو وہاں کی ڈسپنری میں چپڑا سی ہے۔

میں اس کے مزید قریب ہوا اور بڑی درد مندی کے ساتھ اُس سے پوچھا: کیا اُس ڈسپنری والے شعبان کا تم سے کوئی تعلق ہے؟

میرے ساتھ تو اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اُن پڑھ آدمی ہے۔ سیاست کی باتیں اُس کے فہم و شعور سے بالا ہیں۔

کیا اخوان کے ساتھ اُس کا کوئی تعلق ہے؟

برگز نہیں۔

آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اُس کا اخوان سے کوئی تعلق نہیں؟

(سپاہیوں کی آمد کے خوف سے دبی زبان کے ساتھ): میں اخوان میں سے ہوں۔ یقیناً جانیے۔ پورے

علاقہ میں اخوان کی جماعت میں ایک بھی ایسا شخص نہیں ہے جس کا نام شعبان ہو۔

میں نے دوبارہ لمبا جت کے ساتھ اور خدا کا واسطہ دے کر اُسے پوچھا: براہ کرم کچھ تو بتادیں۔

آپ کیا پوچھنا چاہیے؟
مجھے شعبان کے بارے میں کوئی معلومات دیں۔
کیا وہ شعبان بوڈ سپنری میں چپڑا سی ہے؟

جی ہاں۔

کس لیے؟

مجھ سے جیل کے جلاّد شعبان کے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے اور مجھے قطعاً اس شخص کا کوئی علم نہیں ہے۔

بڑی بد دلی کے ساتھ بات کو ختم کرتے ہوئے وہ مجھے کہنے لگا: ہم میں سے ہر شخص ایک پیچیدہ شکل میں گرفتار ہو چکا ہے۔ اور پھر میں آپ کو بتا تو چکا ہوں کہ یہ ڈسپنری والا مسکین شعبان دنیا کے بارے میں کوئی خبر نہیں رکھتا۔ شاید وہ کبھی خانگاہ سے باہر کہیں گیا بھی نہ ہو۔ کسی سیاسی سرگرمی سے اُس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ شاید اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو کہ ان دنوں مصر کا حاکم کون ہے۔ جس شعبان کے بارے میں آپ سے پوچھا جا رہا ہے وہ خانگاہ والا شعبان نہیں ہو سکتا۔ آپ بھی اس کے بارے میں زیادہ نہ سوچیں۔ اور مجھے بھی مشغول نہ کریں۔

لیکن.....

(اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا) براہ کرم چپ ہو جائیے۔ میرا دماغ خود پریشانی میں مبتلا ہے۔ جتنا کچھ میں بتا چکا ہوں اس سے زیادہ شعبان کے بارے میں میرے پاس اور کچھ کہنے کو نہیں ہے۔
پھر وہ حسب سابق اپنی ویران دنیا کی طرف متوجہ ہو گیا اور بہکی بہکی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا اور خوف و اضطراب اور تنہائی کی جس حالت میں وہ پہلے مبتلا تھا وہ پھر عود کر آئی۔ میں نے بہت جتن کیے کہ اُس سے شعبان کے بارے میں کچھ انگواؤں مگر ناکام رہا۔ اپنی پتھرائی ہوئی اور ویران آنکھوں کے جھروکے سے میں مختلف ساختیوں کے چہرے پڑھتا اور غیر شعوری انداز میں اُن کا جائزہ لیتا۔ یوں محسوس ہوتا کہ کرب ان چہروں کو اسی طرح سے چارہ لے جیسے درندہ شکار کو مہنجوڑتا ہے۔ یہ زرد رنگ کے چہرے، حزن و دلال میں ڈوبے ہوئے۔ اور اُن پر گاڑھے خون میں لت پت مٹی کی تہیں جی ہوئیں۔ بعض چہروں پر خون ابھی تازہ تازہ چمک رہا تھا جو مجھوں کے آدھ سے بہ کر گالوں پر لکیریں ڈالتا ہوا انسانیت

کا مرثیہ لکھ رہا تھا۔ مگر یہ لوگ خون کی ان لکیروں کی طرف دھیان ہی نہ دے رہے تھے۔ وہ مکمل حواس باختگی کے عالم میں تھے۔ کیا نہ الا منظر تھا کہ انسان کے چہرے اور کپڑوں پر خون کی دھاریں بہ رہی ہوں مگر وہ اس کے سوا کچھ نہ کہتا ہوا کہ اگر وہ دھاریں اُس کی آنکھوں میں داخل ہونے لگیں تو انہیں انگلیوں سے پونچھ ڈالے۔

میں ایک ایک چہرے پر نظر دوڑاتا رہا۔ سب چہرے عبا ر آلود اور خون داماں تھے۔ اور کوئی ایسی علامت باقی نہ رہ گئی تھی جو ایک چہرے کو دوسرے سے متیز کرتی۔ آخر میں میری نگاہیں ایک مخصوص چہرے پر گر گئیں۔ یہ انسان طلوع آفتاب سے پہلے یہاں آیا تھا۔ نہ جانے کیوں تاریکی کے دوران میری نظر اُس پر مرکوز رہی۔ یہاں تک کہ جب دن طلوع ہوا تو میں نے اُسے صاف صاف دیکھ لیا۔ اس سے پیشتر چند لمحات تک تو میرا ذہن گذشتہ فوجی افسر کے مارے جلنے کے واقعہ پر اس قدر کھویا رہا کہ کسی اور چیز کا ہوش نہ رہا مگر اب ذرا فہم نے سکون بیا تو اس نئے انسان کو غور دیکھنے کا موقع میسر آ گیا۔

یہ نیا انسان بڑا خوش شکل اور گل اندام تھا۔ ۲۵ سال کے لگ بھگ عمر ہوگی۔ اُس کے ہونٹوں پر بھجا بھجا تبسم تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں ایسا تبسم جیسے شمع آخری چمکی لے رہی ہو۔ اس گلابی رنگ کے ہاتھ نغیس پوشاک زیب تن کر رکھی تھی۔ ڈاڑھی اور مونچھیں دونوں صاف تھیں۔ ایک وارفتگی کے عالم میں وہ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے کھیلنے کی کوشش کرتا اور پھر اپنی نگاہیں ایک مخصوص جگہ پر گاڑ دیتا۔ اُس کی کوشش ہوتی کہ ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرے۔ مگر وہ مسکراہٹ بھی بھتی ہوتی یا یوں سمجھیے کہ وہ بھٹنے کے قریب ہوتی۔ میں بے خودی میں سب چہروں کو بار بار دیکھ کر بار بار اس انسان کے چہرے کو تاکنے لگتا۔ اُسے بھی اندازہ ہو گیا کہ میں رہ رہ کر اُسے تاکتا ہوں۔ میں دل میں کہتا: کیا اس انسان کو میں نے پہلے کہیں دیکھا ہے! کہاں دیکھا اور کب دیکھا ہے! اس انسان کا چند لمحات کے بعد کیا انجام ہونے والا ہے! اور خود میرا انجام کیا ہوگا! ہم سب فنا کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں۔ موت کی گھم سب کوشدّت سے آ رہی ہے۔ یہاں ایک ہی حقیقت ہے ہم سب کا پالا ہے اور وہ ہے حتمی اور یقینی موت۔

وہ نوجوان میرے قریب ہوا۔ مجھ سے وہ پہلے بھی دو چار بالشت سے زیادہ دور نہ تھا۔ بڑی سنجیدگی کے ساتھ میرے کان میں کہنے لگا: ”میں آپ کو ایک نہایت اہم بات بتانا چاہتا ہوں“ یہ لسنی کر میرے اداں خطا ہو گئے۔ یہ نوجوان آخر کو کنسی غیر معمولی بات میرے علم میں لانا چاہتا ہے۔ میں نے

اپنے آپ سے اس مبہم خطرے کو ٹالتے ہوئے اُس سے کہا: میں آپ کو نہیں جانتا ہوں اور نہ کبھی اس سے پہلے آپ کو دیکھا ہے؛ اُس نے سنی اُن سنی کر دی۔ اُس وقت مجھے یوں محسوس ہوا کہ اُس کی مسکراہٹ میں تازگی آگئی ہے۔ مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اُس کی مسکراہٹ میں کوئی تازگی نہ تھی بلکہ یہ میرا وہم تھا۔

اُس نے مجھ سے کہا: میرا نام عاطف ہے۔ میں بنک آف مصر میں کام کرتا ہوں۔ براہِ رُم میں آپ کو نہیں جانتا۔ اور آپ کا نام سن کر بھی مجھے کوئی سابقہ تعلق نہیں یاد آ رہا۔ آواز بلند نہ کریں اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسے غور سے سنیں۔

میں نے دل میں سوچا کہ شاید یہ نوجوان کسی الجھن میں گرفتار ہے۔ اور اُسے یہ خیال ہے کہ میں اُس کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ دل پر پتھر رکھ کر آخر میں نے اُس کی بات سننے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بڑے حوصلے کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوا۔ اُس کی رنج و غم میں ڈوبی ہوئی نظریں دیکھ کر میں یک دم کرب میں مبتلا ہو گیا۔ اور میں نے اس سے کہا: آپ کیا چاہتے ہیں؟ میں حاضر ہوں۔ مگر اے کاش کہ میں آپ کو کچھ پیش کر سکتا۔ کہنے لگا:

کیا فی الواقع آپ مجھے نہیں جانتے؟
ہرگز نہیں جانتا۔

یاد کیجیے۔ آپ کا چہرہ میرے لیے نامانوس نہیں ہے۔ میرا ذہن یہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کو کسی جگہ دیکھا ہے۔

یقین جانیے، میں نے اس سے پیشتر آپ کو نہیں دیکھا۔
تو پھر آپ کا چہرہ مجھے مانوس کیوں نظر آ رہا ہے؟
مجھے نہیں معلوم۔

کیا آپ راز چھپا کر رکھ سکتے ہیں؟
یقیناً۔ لیکن کیا ممکن نہیں ہے کہ یہاں آپ اپنے راز اپنے پاس ہی چھپا کر رکھیں۔ شاید۔
شاید؟ کیا شاید؟ ہر انسان راز چھپا کر رکھ سکتا ہے۔
بشرطیکہ وہ انسان کوڑوں سے زیادہ مضبوط ہو۔
کیا کوڑا انسان سے مضبوط ہے؟

شاید۔

پروا نہیں۔ میں اپنا راز آپ کو بتاتے دیتا ہوں۔

میں آپ کو صبر کا ہی مشورہ دوں گا۔

چھوڑیے یہ بات۔ میری ٹھنیے۔

آپ مجھے ہی خاص طور پر اپنی بات کیوں بتانا چاہتے ہیں؟

آپ کا چہرہ مجھے مانوس نظر آ رہا ہے۔

کیا آپ کو یہ خدشہ نہیں ہے کہ آپ کا اندازہ غلط ہو۔

پروا نہیں۔

درحقیقت آپ میرے اندر دلچسپی پیدا کر رہے ہیں۔

اس لیے کہ شاید ہم دو دوست ہیں۔

مانی میں تو ہم دوست نہیں رہے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ اب ہم رشتہ دوستی استوار کر لیں۔

آپ کو دراصل مذاق کی سوجھی ہے۔

برگز نہیں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔

یہ سن کر میں نے اس عجیب و غریب انسان پر بے ساختہ ایک خندہ استہزاء لگایا۔ کیا ان حالات میں

اُسے دوستی کا رشتہ استوار کرنے کی سوجھی ہے؟ مگر شاید آنے والے خطرے کے احساس نے اُسے باہم

تعلق قائم کرنے پر مجبور کیا ہو۔۔۔ شاید وہ کسی بات کا سہارا لینا چاہتا ہے۔ شاید۔۔۔ شاید۔۔۔

اُس کا مصائب آمیز اور شرافت سے بریز چہرہ حزن و ملال میں ڈوبا ہوا نظر آیا اور اُس کی چشم و تالہ دار کے

جھروکوں سے جو نظری چمن چمن کر رہا دھڑک رہی تھیں اُن میں بھی رنج و اندوہ کی غیر معمولی آمیزش تھی۔

دوسری مرتبہ اُس نے ایک مسکراہٹ لی۔ پیار سے بھری ہوئی اور اخلاص و عقیدت میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ۔

ایک خوشگوار لمحہ پیدا ہو گیا۔ مجھے بھی ہنسی آنے لگی۔ میں نے عرض کیا :

مجھے منظور ہے۔ کوئی سوج نہیں، ہم دوست بن جاتے ہیں۔ میرا نام ہے۔۔۔۔۔

(بات کاٹتے ہوئے) میں اپنا راز بتانا بھول گیا۔

کیا راز ہے؟

وہی راز جس کے بارے میں میں ابھی آپ کو اشارہ کر چکا ہوں۔

کوئی حرج نہیں۔ بتائیے۔ میں کان دھر کر سن رہا ہوں۔

اُس نے وفور احتیاط سے رادھر رادھر جھانکا۔ سنجیدگی اور موضوع کی اہمیت کی علامتیں اُس سے چہرے سے عیاں تھیں۔ کہنے لگا:

اس موضوع کا تعلق نبیلہ سے ہے۔

نبیلہ؟

جی ہاں۔

کوئی نبیلہ؟

صبر کیجیے۔ میں ہر چیز آپ سے عرض کیے دیتا ہوں۔

میرے دل میں اندر سر نو خوف کے جذبات ابھر آئے۔ اور ابھی ابھی جو خوشگوار لمحہ پیدا ہوا تھا وہ کافور ہونے لگا۔ کیونکہ اس جگہ میں کسی بھی لڑکی کا نام سُنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ حالت یہ تھی کہ ادھر ہونٹوں پر کسی انسان کا نام آتا اور ادھر پلک جھپکتے ہیں اُسے یہاں لے آیا جاتا۔ خواہ وہ انسان — بقول افسرانِ جیل — عفریت ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن عطف صاحب نے میرے افکار و خیالات پر جو میرے ذہن میں موجزن تھے، کچھ تدبیر نہ دی۔ وہ بات چیت کے شوق میں تھے۔ بڑی بیارسی آواز کے ساتھ کہنے لگے: ”مجھے اُس سے بڑی محبت تھی۔ وہ بھی مجھ سے بہت پیار رکھتی تھی۔“ مجھے بھی تسخر کی سوجھی۔ میں نے اُسے کہا: ”تو کیا آپ یہاں مجھے اپنے عشق و محبت کی داستان سُنانا چاہتے ہیں؟“

اُس نے بڑی سنجیدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور کہا: ہاں۔ اس میں کیا عیب ہے؟ ”یہاں نے کہا بات تو کچھ نہیں ہے۔ لیکن کیا یہ جگہ ایسی کہانیوں کے لیے غیر مناسب نہیں ہے؟“ کہنے لگا: میں تو بالکل مناسب سمجھتا ہوں۔“

میں نے اس کے چہرے کو ذرا غور سے پڑھا۔ وہ مسکین پوری طرح وارفتگی اور دیوانگی کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ مجھے اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب گہری نظروں سے میں نے اُسے دیکھا۔ میرے دل کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ اور ایسا محسوس ہوا کہ میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ یہ مسکین بالکل غیر معتدل حالت میں ٹوب

رہا تھا۔ جس انداز میں اُسے جیل میں لایا گیا ہے اُس سے وہ ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔ مجھے شدید حیرت ہوئی۔ سوچا کہ اب اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ — کچھ نہیں کر سکتا۔ اتنے میں وہ یکایک زار زار رونے لگ گیا۔ اور اُس کی زبان سے اسی حالت میں یہ کلمات نکلنے لگے: "اُسے زبردستی اٹھا کر لے گئے۔ میں نے خدا کا واسطہ دے کر انہیں کہا کہ اسے چھوڑ دیں۔ مگر انہوں نے کچھ نہ سنی۔ وہ لڑکی بڑی بھلی تھی۔" اُس کے درد بھرے الفاظ نے میرے احساس و شعور میں ہنگامہ محشر بڑپا کر دیا۔ میں نے یکایک اُس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا:

کس کے بارے میں کہہ رہے ہیں آپ؟

نبیلہ کے بارے میں۔ کل ہماری شادی ہونے والی تھی۔ نکاح خواں بھی آگیا تھا — لیکن..... لیکن کیا ہوا؟

مجھے اور اُسے دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اُسے گھسیٹ کر لے گئے۔

کون اُسے گھسیٹ کر لے گیا؟

ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ۔

نکاح کے دوران ہی؟

جی ہاں۔ ابھی نکاح پڑھا نہیں گیا تھا۔

کیوں لے گئے؟

کچھ نہیں معلوم۔

معلوم ہوتا ہے تم دونوں کا تعلق اخوان المسلمون سے ہے۔

میں اور وہ دونوں مسلمان ہیں — اسلام پسند ہیں۔

یہ سُرخ اندھیروں کا زمانہ ہے۔ انٹیلی جنس کے لوگ مسلمانوں یا دوسرے لفظوں میں اسلام پسندوں

کو چُن چُن کر پکڑ رہے ہیں۔

کسے خوش کرنے کے لیے؟

رولس کو خوش کرنے کے لیے۔ امریکہ کو خوش کرنے کے لیے۔ یہودیوں کو خوش کرنے کے لیے۔

یہودیوں کو خوش کرنا بھی مقصود ہے؟

بے شک -

کیا ہم یہودیوں کے دشمن نہیں ہیں؟ کیا ان کے ساتھ ہماری جنگ نہیں ہے؟
ہماری کھنچھڑسن کر ایک معیض العمر قیدی ہمارے قریب ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر سجدہ کے نشان کے
پاس سے خون کی دھار بہ رہی تھی۔ وہ کہنے لگا: اوپر اوپر سے ہم یہودیوں کے خلاف ہیں۔ لیکن حقیقت میں ہم
ان کے سچے اور وفادار خادم ہیں۔

میں نے کہا: "ہم کون؟"

بوڑھا قیدی: طبری اٹیلی جنس کے لوگ، امن عامہ قائم کرنے والے ادارے اور ان کے سرپرست۔
راقم: آپ بہت خطرناک بات کر رہے ہیں۔

قیدی: میں سچ بات کہہ رہا ہوں۔ حکمرانوں کا رویہ قوم کو کمزور کر رہا ہے۔ یہ قوم آئندہ جنگ نہیں لڑ سکے گی۔
راقم: کونسی جنگ؟

قیدی: یہ پکڑ دھکڑ جو نہیں ختم ہو گی، ہمارا ملک اسرائیل کے ساتھ ایک نئی جنگ میں داخل ہو گا۔ مگر ہم اسرائیلیوں
سے عبرتناک شکست کھا جائیں گے۔ یہ شکست قوم کی بنیاد ہلا کر رکھ دے گی۔
راقم: بخدا یہ آپ نے بڑی اچھے کی بات کہی۔

قیدی: آنے والے دن آپ کے لیے وہ خبریں لائیں گے جو اب آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔
عاطف بیچارہ ہمارے پاس چپ چاپ بیٹھا رہا۔ منتشر و پر اگندہ خیال۔ ہماری گفتگو کو وہ شاید نہیں
سمجھ سکا۔ وہ اپنی ہی دنیا میں مگن بڑھاتا رہا۔ اور بار بار یہ الفاظ اس کے منہ سے نکلتے: جب ہم آئے تو وہ
لوگ اسے گھسیٹ کر کسی جگہ لے گئے۔ کہنے لگے ہم دونوں کو جیل بھیجا جا رہا ہے۔ انپکٹر نے مجھ سے شادی کی
انگشتری بھی لے لی۔ بوڑھا مجروح قیدی اسے کہنے لگا: کیا یہ انگشتری سونے کی تھی؟ عاطف نے جواب دیا: جی
ہاں سونے کی تھی۔ بوڑھے شیخ نے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سونا مردوں کے لیے حرام ہے؟

یوں ہر شخص اپنے ہی خیالات و افکار کے گرد گھوم رہا تھا۔ مجھے یہ فکر کہ خانگاہ والا شعبان کون ہے
اور کہاں ہے۔ عاطف کو یہ غم کہ آڑنے بھی نہ پائے تھے کہ گرفتار ہوئے۔ اور شیخ اس سوچ میں غرق کہ یہودی
اس ملک پر چڑھ دوڑنے والے ہیں۔

(باقی)